کے علاوہ رجوع الی الکتاب والسنۃ اور اجتہاد آزادی فکر کے علمبردار جہاں کہیں بھی ہیں ابن تیمیہ اور ابن القیم کی تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب پر ابن تیمیہ کے اثرات کا یہ عالم تھا کہ احمد امین اپنی کتاب زعماء الاصلاح میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالوہاب نے ابن تیمیہ کا ایک رسالہ اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا جو اب لنڈن کے برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

کتاب و سنت کی طرف رجوع اور اتحاد شرکت و بدعت اور تعمیر و استحکام خودی کی یہ مضبوط تحریک آج بھی لوگوں پر گہرا اثر ڈال رہی ہے۔

تنویر جہاں خان*

بُلھے شاہ اور آن کا تصوف

عبداللہ شاہ المعروف بُلھے شاہ کے ذاتی حالات بہت کم ملتے ہیں - آپ کے والد کا نام سخی شاہ محمد درویش ہے - تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد تیرھویں حصہ اول کے مطابق بُلھے شاہ کی ولادت اُوچ گیلانیاں میں ۱۶۸۰ء میں ہوئی - جو کہ اورنگ زیب عالمگیر کا بائیسواں سن جلوس ہے - بُلھے شاہ سید ہیں اور آپ کا شجرہ نسب چودہ واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے - ابھی آپ چھ سات سال کے ہی تھے کہ آپ کے والد اُوچ گیلانیاں کو چھوڑ کر ملکوال ضلع ساہیوال میں آباد ہوئے بعد میں قصور کے گاؤں پانڈوکی چلے گئے[1]- نافع السالکین کے ایک قلمی نسخے کے مطابق جو پیر عنایت شاہ کا مرتب کردہ ہے، کے مطابق بُلھے شاہ اُوچ گیلانیاں میں پیدا ہوئے -[2] جب کہ ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن اپنی کتاب (Punjabi Sufi Poets) میں تحریر کرتی ہیں کہ بُلھے شاہ قصور کے گاؤں پانڈوکی میں ۱۶۸۰ء میں پیدا ہوئے -[3] بُلھے شاہ کے سن ولادت پر تو محققین میں بالعموم اتفاق پایا جاتا ہے - مگر ان کے سال وفات پر اختلاف موجود ہے -

سی - ایف - اسبورن (C. F. Usborne) کے مطابق بُلھے شاہ نے ۱۷۵۳ء میں وفات پائی -[4] خزینۃ الاصفیا میں بھی بُلھے شاہ کا سال وفات ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۷-۵۸ء لکھا ہے -[5] قصور میں آپ کے مزار پر ایک کتبہ ہے جس پر ایک قطعہ کندہ ہے جس سے سال وفات نکلتا ہے - وہ قطعہ یہ ہے :

چوں بُلھے شاہ شیخ ہر دو عالم مقام خویش اندر خلد ورزید
رقم کن شیخ اکرام[6] ارتحالش دگر ہادی اکبر مست توحید

اس قطعہ سے حروف ابجد کے لحاظ سے دو تاریخیں نکلتی ہیں - ''شیخ اکرم'' اور ''ہادی مست توحید'' دونوں سے علیحدہ علیحدہ ۱۱۷۱ کا عدد نکلتا ہے - جو سن عیسوی کے مطابق ۱۷۵۷ نکلتا ہے -[7]

پاکستان کے عظیم محقق ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے پنجاب یونیورسٹی کی عربک پرشین سوسائٹی کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۹ء میں ایک

---

* لیکچرار، شعبہ لائبریری سائنس پنجاب یونیورسٹی، نیو کیمپس لاہور -

تحقیقی مقالہ پڑھا جو بعد میں ضمیمۂ اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا ۔ اس مقالہ میں انھوں نے اوراد و وظائف کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیتے ہوئے (جو اس وقت عبدالعزیز خان ، کلرک آف کورٹ ، سیشن کورٹ ، فیرزپور کے پاس تھا) کہا کہ اس نسخے میں بُلھے شاہ کے ایک اجازت نامہ کا ذکر ہے ۔ اس اجازت نامہ کی آخری سطر کے نیچے مہر ہے ۔ جس میں بلھا شاہ قادری ۱۱۸۱ء کندہ ہے ۔ اسی مہر کا نقش اس نسخہ میں ایک دوسری جگہ بھی ہے ۔ نقش یوں ہے ۔[۸]

تو گویا مولوی محمد شفیع صاحب کی تحقیق کی روشنی میں بُلھے شاہ ۱۱۸۱ھ/ ۱۷۶۷ء میں ابھی زندہ تھے ۔

ملتان ڈسٹرکٹ گزٹیئر (Multan District Gazetteer) میں مذکور ہے کہ محمد درویش چند کافیوں کے مصنف ہیں ۔ حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا بُلھے شاہ درویشوں اور صوفیاء کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ یا انھیں اپنے مرشد عنایت شاہ کی بدولت دولت تصوف نصیب ہوئی ۔[۹] معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس نفس کشی اور ایثار کا وعظ کرتے تھے ۔ خود بھی اس پر عمل کرتے تھے ۔ انھوں نے عمر بھر شادی نہیں کی ۔ ان کی ہمشیرہ جو ہمیشہ ان کی صوفیانہ طرز عمل کو سراہتی رہی ، نے بھی اپنے بھائی کی تقلید میں شادی نہ کی ۔

بُلھے شاہ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی جو عربی اور فارسی کے عالم تھے ۔ بُلھے شاہ کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ بُلھے شاہ اپنے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ ''چینا'' کھیل رہے تھے کہ آپ کے والد آپ کی تلاش میں اس طرف آ نکلے ۔ بُلھے شاہ کے ہاتھ میں ایک تسبیح تھی اور آپ یہ شعر پڑھ رہے تھے :

لوکاں دیاں جپ مالیاں تے بابے دا جپ مال
ساری عمر مالا پھیری اک نہ کھتھا وال

چیناں انج چھڑیندا لال

آپ کے والد ماجد نے جب یہ معرفت کا کلمہ سنا تو وجد میں آ گئے ۔ چنانچہ یہی واقعہ کچھ عرصہ بعد ان کے حصول معرفت کا پیش خیمہ ثابت ہوا ۔[۱۰]

بُلھے شاہ نے مخدوم حافظ غلام مرتضیٰ قصوری سے ، جو قصور کے لاہوری دروازہ کی مسجد کے امام تھے ، سے مروجہ علوم کی تعلیم حاصل کی ۔ پروفیسر ضیا محمد ضیا نے اپنی کتاب ''یادگار وارث'' میں لکھا ہے کہ یہ بات مشہور ہے کہ بُلھے شاہ اور وارث شاہ دونوں ہم درس تھے اور حافظ غلام مرتضیٰ قصوری کے شاگرد رہے ۔ مگر نہ کبھی بُلھے شاہ نے اور نہ ہی کبھی وارث شاہ نے اپنی کتاب میں اس بات کا تذکرہ کیا ۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بُلھے شاہ ۱۱۸۱ھ/۱۷۶۷ء میں زندہ تھے اور وارث شاہ نے ۱۱۸۰ ہجری میں ہیر لکھی ۔ لہٰذا انھیں ہم عصر تسلیم کیا جا سکتا ہے ۔ وہ دونوں ایک ہی استاد کے شاگرد بھی ضرور رہے ہوں گے کیونکہ حافظ غلام مرتضیٰ کا یہ بیان بہت مشہور ہے کہ ''مینوں دو شاگرد عجیب ملے نیں''۔ اک بُلھے شاہ جس نے علم پڑھ کے سرنگی پھڑ لئی تے دوجا وارث شاہ جیہڑا عالم ہو کے ہیر رانجھا دے گیت گون لگ گیا'' ۔[۱۱] بُلھے شاہ نے حافظ غلام مرتضیٰ سے علم حاصل کرنے کے بعد شاہ عنایت قادری شطّاری سے روحانی فیض حاصل کیا ۔

ہندوستان میں شطاری سلسلہ کو شاہ عبداللہ شطّاری نے رواج دیا ۔ ان کی وفات مانڈو میں ۱۴۸۵ء میں ہوئی ۔ شطاری لفظ عربی زبان کے 'شطر' سے ماخوذ ہے ۔ جس کا مطلب ہے ''کسی خاص سمت کی طرف جانا'' اور شطار سے یہ معنی لیا گیا ''جو تیزی سے حرکت کرتا ہے'' شطّاریوں کا عقیدہ ہے کہ وہ دوسرے روحانی سلسلوں کی نسبت اس مسلک کی بدولت معرفت و حقیقت کی منزل جلد پا لیتے ہیں اور ایسے اشغال اختیار کرتے ہیں جو ایک صوفی کو ''فنا الحق'' اور ''بقا الحق'' کی منزل تک جلد پہنچا دیتے ہیں ۔ حضرت بایزید بسطامی نے عشق حقیقی کو پانے میں اشغال کی جو کیفیت پیدا کی اس کی وجہ سے وہ شطاری سلسلہ کے بانی قرار پائے ۔[۱۲] حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۱۰۷۷ - ۱۱۶۶ء) نے سلسلہ قادریہ شروع کرکے ولولۂ عشق تیز تر کر دیا ۔ بُلھے شاہ کے مرشد عنایت شاہ قادری شطّاری تھے اس لیے انھیں جذبۂ عشق دو آتشہ ہو کر ورثہ میں ملا ۔

ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کی بنیاد محمد غوث نے ۱۴۸۲ء میں گوالیار میں رکھی ۔ حضرت میاں میرؒ (۱۵۵۰ - ۱۶۳۵ء) لاہور میں ان کے مرید تھے ۔ ملا شاہ بوخشی جو میاں میر کے شاگرد تھے ، کا شہنشاہ جہانگیر ، شہنشاہ شاہ جہان ، داراشکوہ اور جہاں آرا پر بہت اثر تھا ۔ میاں میر کی دوسری روحانی پشت پر شاہ عنایت قادری ہوئے ہیں جو اپنے وقت کے ولی اور صوفی تھے ۔ انھوں نے اپنی کتاب ''دستور العمل'' میں بتایا ہے کہ پرانے زمانے کے ہندو رب کو پانے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کرتے تھے ۔ شاہ عنایت قادری ، حضرت شاہ محمد رضا شطاری قادری (م - ۱۷۰۶) کے شاگرد تھے ۔[۱۳] شاہ عنایت قادری نے تصوف پر بہت کچھ لکھا ، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے قرآن کریم کی ایک تفسیر

بھی لکھی تھی ۔ جو اب ملتی نہیں ۔ ان کی فارسی تصانیف اُن کے گدی نشین شیخ سراج الدین کے پاس تھیں ۔ جن میں سے دستور العمل ، اصلاح العمل ، لطائف غائبیہ ، ارشاد الطالبین اور گوالیار کے محمد غوث کی جواہر خمسہ کی تشریح اور تفسیر زیادہ مشہور ہیں ۔[۱۴]

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں پنجاب نے کئی صوفی شعراء پیدا کیے ۔ مثلاً سلطان باہو (م ۱۹۶۱)، بلھے شاہ (۱۶۸۰ - ۱۷۵۷) ، علی حیدر (م-۱۷۷۱) اور ہاشم شاہ (پ-۱۷۵۲) وغیرہ ۔ ان سب شعراء نے پنجابی کو ذریعہ اظہار بنایا ۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پنجابی زبان میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں انسان آسانی سے اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتا ہے ۔ بُلھے شاہ کی کافیوں کی زبان اور ان کی بندش وزن کی طرح بالکل سادہ ہیں ۔ اگرچہ مختلف ردیفیں کثرت سے پائی جاتی ہیں لیکن اشعار پنجاب کے مروجہ گیتوں کی صورت میں ہی ہیں ۔ ان کے کلام میں خیالات کی پیچیدگی بہت کم ہے ۔ وہ دراصل معلم اخلاق ہیں ۔ اس لیے اپنے خیالات کو عوام تک پہنچانے کی خاطر انھوں نے بالعموم اپنے اشعار میں سادگی اختیار کی ہے ۔ البتہ کبھی کبھی اپنی بات کو سمجھانے کے لیے استعارات اور تلمیحات کا بھی سہارا لیا ہے ۔ ان کے کلام میں اکثر ہندی اور سنسکرت کے الفاظ ملتے ہیں جس کی غالباً وجہ یہ ہوگی کہ برصغیر میں مسلمان اور ہندو اکٹھے رہتے تھے لہذا مسلمان صوفیاء کا ہندو جوگیوں ، سادھوؤں اور ناتھوں سے میل جول اور ایک دوسرے کے اشغال و افکار سے آشنا ہونا قرین قیاس ہے ۔[۱۵] بُلھے شاہ کی ہندو فلسفہ ویدانت کی اصطلاحات سے واقفیت اور ان کو اپنے اشعار میں استعمال کرنے کی وجہ غالباً یہی ہے ۔

اس سے پیشتر کہ ہم بُلھے شاہ کے تصوف پر کچھ لکھیں یہ مناسب ہوگا اگر ہم بُلھے شاہ کے دور کے سیاسی حالات سے اپنے ناظرین کو آگاہ کر دیں ۔ کیونکہ سیاسی اور معاشرتی حالات ہمیشہ ایک شاعر کے خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور بُلھے شاہ ایک معلم اخلاق ہونے کے ناطے ایسے جذبات سے عاری نہیں ۔ انھوں نے کئی بار معاشرہ کی بگڑتی ہوئی اقدار کا اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے ۔

بُلھے شاہ کا زمانہ سترھویں صدی کے اواخر اور اٹھارھویں صدی کے پہلے نصف پر محیط ہے ۔ اس کا زمانۂ حیات ۱۶۸۰ء سے ۱۷۶۷ء تک کا ہے ۔ اورنگ زیب عالمگیر کی ۱۷۰۷ء میں وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کا ستارہ گردش میں آ گیا ۔ دہلی کی عظمت ایک فسانۂ ماضی بن گئی ۔ بدقسمتی سے اورنگ زیب کے جانشین کمزور ثابت ہوئے ۔ بہادر شاہ اول (۱۷۱۲-۱۷۰۷) نے کسی حد تک شاہی وقار کو برقرار رکھا اس کے بعد تو مغل حکمران بالکل نا اہل ثابت ہوئے ۔ اور منصب داروں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن گئے ۔ملک میں ہر طرف طوائف الملوکی نے راہ لی ۔

مغل شہنشاہوں اور شہزادوں نے عیش و نشاط کی بزم آرائیوں کو اپنا شعار بنا لیا ۔ ان کا زیادہ تر وقت جہانداری کی بجائے حرم کی چار دیواری میں رقص و سرود اور شراب نوشی میں صرف ہونے لگا ۔ جہاندار شاہ (۱۳-۱۷۱۲) اپنی محبوبہ لال کنور کے سامنے بے بس تھا ۔ اس کو امتیاز محل کا خطاب حاصل ہوا ۔ محمد شاہ (۱۷۴۸-۱۷۱۹) کی رنگینیاں تو ضرب المثل بن گئی تھیں ۔ احمد شاہ (۱۷۵۴-۱۷۴۸) کا حرم چار مربع میل پر پھیلا ہوا تھا ۔ اس زمانہ میں مسلم معاشرہ کا اخلاق رو بہ تنزل تھا پنجاب نہ تو اودھ اور دکن کی طرح خود مختار ہو سکا اور نہ ہی بنگال کی طرح اس پر کسی طاقت کا قبضہ ہوا ۔ ملک میں مختلف صوبیداروں نے اپنی اپنی خود مختاری اور نیم خود مختاری کا اعلان کر دیا ۔ ہندوستان کے سیاسی انتشار نے غیر ملکیوں کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت دی ۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ درانی پنجاب کو روندتا ہوا دہلی پر حملہ آور ہوا ۔ ایرانی فوج نے دہلی میں خوب قتل عام کیا۔ دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ واپسی پر نادر شاہ تقریباً ستر کروڑ روپیہ کی مالیت کا سونا ، جواہرات ، نقدی اور دیگر اشیاء اپنے ساتھ لے گیا ان کے علاوہ شاہ جہاں کا تخت طاؤس اور کوہ نور ہیرا بھی ایران لے گیا ۔ شمال مغربی پنجاب پر بھی اس کے حقوق تسلیم کیے گئے اور یہ طے پایا کہ صوبہ دار پنجاب بیس لاکھ روپے سالانہ حکومت ایران کو عطا کرے گا ۔[۱۶]

احمد شاہ ابدالی نے بُلھے شاہ کے زمانۂ حیات میں ہندوستان پر کئی حملے کیے اور پنجاب اور دہلی کو لوٹا ۔ دیہات کے دیہات ویران ہوئے ۔ مرہٹوں اور مغل امراء کی بدعنوانیوں کی وجہ سے جو خلفشار پیدا ہوا اس کی زد براہ راست پنجاب کی معاشرتی زندگی پر پڑتی رہی ۔ اور یہ سب کچھ بُلھے شاہ کے سامنے ہوا ۔ انہی حالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے بُلھے شاہ نے کہا :

در کھلا حشر عذاب دا برا حال ہویا پنجاب دا[۱۷]

سکھ سرداروں کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے اہل پنجاب کی زندگی دوزخ کا نمونہ بنی ہوئی تھی ۔ سیاسی حالات کی ابتری کی وجہ سے پنجاب کی معاشی اور معاشرتی زندگی تباہ ہو کر رہ گئی اور بُلھے شاہ کا کلام ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ۔ بُلھے شاہ کی پیدائش (۱۶۸۰ء) سے لے کر اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) تک پنجاب میں پانچ مغل گورنر مقرر ہوئے ۔ اورنگ زیب کی وفات پر چھوٹے چھوٹے سرداروں نے اپنی اپنی جاگیریں قائم کر لیں ۔ سکھ سرداروں نے اپنے مظالم کی وجہ سے علاقہ میں مسلمانوں کی زندگی دوبھر کر رکھی تھی کہ سرہند کے علاقہ میں بندہ بیراگی نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنی شروع کر دی ۔ اس نے قصور، انبالہ اور پنجاب کے دیگر علاقوں میں اس قدر دہشت گردی پھیلائی کہ کئی مسلمان اپنی جان کے ڈر سے سکھ مذہب اختیار کرنے پر مجبور

ہوگئے ۔ بُلھے شاہ نے اپنی زندگی میں چودہ مغل حکمرانوں کا زمانہ دیکھا ہے ۔ جو یہ ہیں :[۱۸]

۱۔ اورنگ زیب عالمگیر (۱۶۵۸-۱۷۰۷) ۔
۲۔ بہادر شاہ اول (۱۷۰۷ - ۱۷۱۲) ۔
۳۔ عظیم الشان (۱۷۱۲) ۔
۴۔ جہاندار شاہ (۱۷۱۲) ۔
۵۔ فرخ سیر (۱۷۱۹ - ۱۷۱۳) ۔
۶۔ رفیع الدرجات (۱۷۱۹) ۔
۷۔ نیکو سیر (۱۷۱۹) ۔
۸۔ رفیع الدولہ شاہ جہان دوم (۱۷۱۹) ۔
۹۔ محمد شاہ (۱۷۱۹ - ۱۷۴۸) ۔
۱۰۔ محمد ابراہیم (۱۷۲۰) ۔
۱۱۔ احمد شاہ (۱۷۴۸ - ۱۷۵۴) ۔
۱۲۔ عالمگیر ثانی (۱۷۵۴ - ۱۷۵۹) ۔
۱۳۔ شاہ جہان سوم (۱۷۵۹) ۔
۱۴۔ شاہ عالم دوم (۱۷۵۹ - ۱۸۰۶) ۔

جب ملک میں ایسے ابتر حالات ہوں کہ ایک ہی سال یعنی ۱۷۱۹ء میں چار حکمران تخت نشین ہوئے ہوں تو اس ملک میں عوام کی زندگی کا کیا عالم ہوگا ۔ نتیجتاً لوگوں میں بے اطمینانی اور بے چینی اس قدر بڑھ گئی کہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر بے سرو سامان پھرنے لگے ۔ ایک انگریزی مقولہ ہے :

Literature is the interpretation of life through the medium of words.

ظاہر ہے سیاسی حالات کی وجہ سے اخلاقی قدریں بھی ختم ہوگئیں ۔ چنانچہ بُلھے شاہ کہتے ہیں :

جدوں اپنی اپنی پے گئی
دھی ماں نوں لُٹ کے لے گئی
منہ بارھویں صدی پساریا
سانوں آ مل یار پیاریا[۱۹]

مغل حکمرانوں کی زبوں حالی کا نقشہ بُلھے شاہ یوں کھینچتے ہیں :

مغلاں زہر پیالے پیتے
بھوریاں والے راجے کیتے
سب اشراف پھرن چپ کیتے

جب ہم تصوف کی بات کرتے ہیں تو اس سے کیا مراد ہے ۔ اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق تصوف مادۂ صوف (= اون) سے باب تفعل کا مصدر ہے اور اونی لباس عادۃً پہن لینے کو ظاہر کرتا ہے ۔ اسلامی اصطلاح کے مطابق ''صوفی'' بن کر خود کو متصوفانہ زندگی کے لیے وقف کر دینے کو تصوف کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ لفظ صوفی کے لیے اس کے علاوہ جتنے بھی قدیم اور جدید معنی پیش کیے جاتے ہیں ۔ وہ موجودہ تحقیق کی روشنی میں ناقابل قبول ہیں ۔ مثلاً یہ کہ اس کا اطلاق ''اہل صفا'' پر ہوتا ہے یا یہ کہ وہ لوگ جو کدورت بشریت سے پاک و صاف کر دیے گئے صوفی کہلانے لگے ۔[۲۰]

قرب الٰہی کی خواہش خلفائے راشدین کے بعد تک کے زمانہ میں ہر مسلمان میں پائی جاتی تھی ۔ لیکن تصوف کے معاملہ میں کوئی خاص گروہ یا جماعت نہ بنی تھی ۔ مگر دوسری صدی ہجری میں صوفیوں کے حلقے بن گئے ۔ امام بخاری نے ایک حدیث رقم کی ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ پورا تصوف اس حدیث میں جمع کر دیا گیا ہے ۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے : ''میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے ۔ اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے ۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں ۔ جس سے وہ پکڑتا ہے ۔ اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے'' یہ یاد رہے کہ صوفیاء کرام نے تمام نوافل میں سے ذکر الٰہی کو قرب الٰہی کا اولین ذریعہ قرار دیا ہے ۔[۲۱]

صوفیاء کرام تصوف کی جڑیں رسول مقبولؐ کی گوشہ نشینی اور ذکر الٰہی جو وہ نزول وحی سے پہلے غار حرا میں کیا کرتے تھے ، سے ملاتے ہیں ۔ حنفا کا (سا) یہ عمل جس پر رسالت مآبؐ مدینہ میں بھی اپنی عمر کے آخری سالوں پر متواتر عمل پیرا رہے ۔ ابراہیمی تصوف اور اسلامی تصوف کے درمیان ایک رشتہ اتصال سمجھا جا سکتا ہے ۔[۲۲] اصحاب رسولؐ میں حضرت ابو ذر غفاریؓ اور حضرت حذیفہؓ کو عالم اسلام میں صوفیاء کے بیشرو کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے ۔ مگر سب سے پہلے جن دو اشخاص کے ناموں کے ساتھ صوفی کا لقب استعمال کیا گیا وہ کوفہ کا ایک شیعہ کیمیا گر جابر بن حیان تھا جو زہد و عبادت میں ایک خاص عقیدہ رکھتا تھا اور یہ بات آٹھویں صدی کے اواخر کی ہے ۔ اس کے علاوہ ابو ہاشم کوفی کو صوفی کہا گیا ہے ۔ تقریباً اسی زمانہ میں اس کا استعمال نیم شیعی مسلمانوں کی ایک جماعت صوفیہ کے لیے ہوا تھا ۔ اس جماعت کا آخری امام عبدک الصوفی تھا ۔ شروع شروع میں صوفی کا لفظ صرف کوفہ تک ہی استعمال ہوتا تھا ۔ مگر نصف صدی کے اندر اندر یہ لفظ تمام عراقی متصوفین کے لیے بھی

استعمال ہونے لگ گیا ۔ ۸۶۴ء کے بعد بغداد اسلامی تصوف کا مرکز بن گیا اور مذہبی مناظروں کے مرکز اور حلقے قائم ہوئے ۔ اور پہلی بار تصوف پر درس دئیے جانے لگے ۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ متصوفین اور فقہا کے درمیان تصادم کے نتیجہ میں قاضیوں کی عدالت میں ذوالنون مصری ، نوری ، ابو حمزۃ اور منصور حلاج پر مقدمے چلائے گئے ۔[۲۳]

یہ امر مسلم ہے کہ عقل شواہد سے بحث کرتی ہے اور عشق ماورائی کیفیات کے حصول میں رہتا ہے ۔ یہی کشمکش شریعت اور طریقت کو دوراہا بنا دیتی ہے ۔ حالانکہ دونوں ایک ہی ہستی یعنی ذات الٰہی کے کے قرب کے خواہاں ہیں ۔ صوفی عشق الٰہی کو اپنی زندگی کا مقصد مانتے ہیں ۔ اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں اپنی عبادات کو ایک ذریعہ قرار دیتے ہیں ۔[۲۴]

صوفیائے کرام فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ وہ دنیاوی تفکرات اور آلائشوں سے دور رہتے ہیں تا کہ قرآن پر زیادہ سے زیادہ غور و فکر کر سکیں ۔ اور عبادت و تقرب الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔ تصوف کی طرف انسان کی کشش در اصل ضمیر کے اس اندرونی احتجاج کا نتیجہ ہے جو معاشرتی بے انصافیوں کے خلاف کیا جاتا ہے ۔ بلکہ سب سے پہلے تو صوفی اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے ۔ وہ تزکیۂ نفس کرتا ہے ۔ تا کہ قرب الٰہی ہر ممکن طریقہ سے نصیب ہو جائے ۔[۲۵]

تصوف کے بارے میں علماء کبھی متفق نہیں ہوئے ۔ امام احمد بن حنبل تصوف کے خلاف اس لیے ہیں کہ تصوف عبادات کے مقابلے میں مراقبہ پر زور دیتا ہے ۔ اور روح کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات سے براہ راست ذاتی قرب کی راہیں ڈھونڈتا ہے ۔ تصوف کے مخالفین کا دوسرا گروہ وہ تھا جو معتزلہ اور ظاہریوں پر مشتمل تھا ۔ کیونکہ یہ گروہ عشق کے ذریعے خالق اور مخلوق کو ایک ہی رشتے میں منسلک کرنے کے خیال کو لایعنی سمجھتا ہے ۔ اُن کے نزدیک یہ عقیدہ نظریاتی طور پر تشبیہ اور عملاً ملامتیہ اور حلول کے مرادف ہے ۔ امام غزالی نے تصوف کو قرب الٰہی کا ذریعہ بتایا ہے ۔ تصوف کی مخالفت کرنے والے بعض بڑے بڑے علماء مثلاً علامہ ابن الجوزی ، ابن تیمیہ اور ابن قیم اخلاقیات میں نہ صرف امام غزالی کے بلند مرتبہ کا بڑا احترام کرتے ہیں بلکہ انہیں اخلاقیات میں حجت تسلیم کرتے ہیں ۔ صوفیاء کے نزدیک علم القلوب سے روح کو معرفت نصیب ہوتی ہے ۔ تصوف کے ہر گروہ نے توبہ ، صبر ، توکل ، رضا اور ذکر الٰہی پر زور دیا ہے ۔ اور اس منزل کو اپنا منتہائے مقصود بنایا ہے روح تمام جسمانی علائق پر غالب آ کر ذات حق کو پالیتی ہے ۔ جس کی وہ متلاشی تھی ۔[۲۶]

صوفیاء کا ایک گروہ عقیدۂ وحدت الوجود کا قائل ہے ۔ اور اس گروہ نے "ہمہ اوست" کے نظریہ کا پرچار کیا ۔ ابن عربی کے نزدیک جیسا کہ ابن تیمیہ نے بجا طور پر کہا ہے "مخلوقات کا وجود عین وجود خالق ہے" ان کی رائے میں اشیاء لازماً علم باری سے جہاں وہ پہلے ہی سے اعیان کی شکل میں موجود تھیں ایک فیض کی شکل میں صدور کرتی ہیں ۔ امام غزالی بھی اس عقیدے کے حامی تھے ۔ صوفیاء نے اس عقیدہ کی بنیاد ان آیات قرآنی پر رکھی ہے ۔[۲۷]

فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ۔

(تو جہاں کہیں منہ کر لے ادھر ہی کو اللہ کا سامنا ہے)

کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُوالۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ۔

[جتنی مخلوقات روئے زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والی ہیں۔ اور (صرف) تمہارے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی]

کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف پر بہت اہم کتاب ہے جسے علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش نے گیارھویں صدی عیسوی میں تصنیف کیا اس کتاب میں ہجویری نے ابو الحسن الفوشنجی (م ۔ ۳۴۸ھ) کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "آج کل تصوف ایک نام ہے بغیر حقیقت کے ، لیکن زمانہ سابق میں ایک حقیقت تھی بغیر نام کے" علی ہجویری خود تحریر کرتے ہیں کہ "صحابہ کرام اور سلف صالحین کے زمانے میں یہ نام موجود نہ تھا لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں جلوہ گر تھی" ان الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ گو تصوف یا صوفی کا لفظ آٹھویں صدی عیسوی میں ایجاد ہوا ۔ مگر اس لفظ کی حقیقی روح صحابہ کرام رض کے زمانہ ہی میں موجود تھی اور لوگ اس پر عمل پیرا تھے ۔ فارسی کے علاوہ عربی زبان میں بھی تصوف پر کئی کتب لکھی گئیں ۔ جن میں سے چند ایک نے بہت نام پایا مثلاً ابو نصر سراج طوسی کی **کتاب اللمع** ، کلا بازی کی **کتاب التعرف** ابو طالب المکی کی **قوت القلوب** ، سُلمیؔ کی طبقات الصوفیہؔ اور نُعیمؔ الاصبہانی کی حلیۃ الاولیا نے شہرت دوام پائی ۔[۲۸]

کشف المحجوب میں علی ہجویری نے صوفیاء کے بارہ فرقوں کا ذکر کیا ہے ۔ جو یہ ہیں : محاسبیہ ، قصاریہ ، طیفوریہ ، جنیدیہ ، نُوریہ ، سہیلیہ ، حکیمیہ ، خرازیہ ، حفیفیہ ، سیاریہ ، حلولیہ اور فارسی ، آخری دو فرقوں کو علی ہجویری رح نے مردودین اور اہل ضلالت کہا ہے ۔ حلولیہ فرقہ کا بانی ابو حکمان دمشقی تھا ۔ اس فرقہ کے پیر و کار ہندوؤں کی طرح تناسخ کے قائل تھے ۔ اور فارسی مسلک کے لوگ حلاج کے عقاید کو ماننے والے تھے ۔[۲۹] علامہ اقبال بھی اپنے دور کے صوفیاء کے متعلق کوئی حسن ظن نہ رکھتے تھے وہ فرماتے ہیں :

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوز مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

اب حجرۂ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خون دل شیراں ہو جس فقر کی دستاویز

بُلھے شاہ کی طبیعت تصوف کی طرف شروع ہی سے مائل تھی ۔ اس لیے انھوں نے جلد ہی منازل فقر و سلوک طے کر لیں ۔ ان کے خیال کے مطابق عشق حقیقی کی منزل کو پانے کے لیے ایک مرشد کامل کی راہنمائی نہایت ضروری ہے ورنہ انسان ساری عمر بے راہ رویوں میں سرگردان رہتا ہے ۔ چنانچہ آپ نے جب حافظ غلام مرتضیٰ قصوری سے علوم منقولات و معقولات سیکھ لیے تو شیخ کامل کی تلاش شروع کی ۔ اور بالآخر سید عنایت شاہ کے مرید بن گئے ۔ وہ عنایت شاہ کو کو پا کر اس قدر روحانی تسکین محسوس کرتے ہیں کہ بار بار اپنے پیر و مرشد کا نام اپنے اشعار میں لیتے ہیں ۔ تصور شیخ ہر وقت ان کے سامنے رہتا ہے :

بلھے شاہ دی سنو حکایت
ہادی پکڑیاں ہوگ ہدایت
میرا مرشد شاہ عنایت
اوہ لنگھائے پار

بلھا شوہ عنایت مینوں پل پل درشن دیندے او

بُلھے شاہ کے کلام کی دلکشی اور سادگی نے ان کے کلام کو پنجاب کے صوفی شعراء میں بہت مقبول بنا دیا ہے ۔ ڈاکٹر لاجونتی تحریر کرتی ہیں کہ پنجاب کے کسی صوفی شاعر نے اتنی شہرت نہیں پائی جتنی بُلھے شاہ نے ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے ۔ کہ بُلھے شاہ کا نام دنیا کے مشہور ترین صوفیائے کرام کی فہرست میں آتا ہے ۔ ان کی سوچ اور خیالات کی بلندی مولانا جلال الدین رومی اور شمس تبریز کے افکار کے ہم پلہ ہے ۔[۳۰] چونکہ ان کی نظمیں پنجابی میں ہیں اس لیے ان کی شہرت کا دائرہ زیادہ تر پنجاب تک ہی محدود رہا ۔ بُلھے شاہ کا کلام بالعموم کافیوں ۔ سہ حرفیوں ۔ دوہڑوں ۔ باراں ماہ ۔ اٹھواروں اور گنڈھاں پر مشتمل ہے ۔

بُلھے شاہ کے تصوف یعنی ان کی صوفیانہ زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ ان کا پہلا دور وہ ہے جب وہ تعلیم پا رہے تھے اور شاہ عنایت سے ابتدائی ملاقات ہو چکی تھی ۔ آن کی اس زمانہ کی شاعری پنجاب کی روایتی شاعری تھی یعنی ادبی لحاظ سے بُلھے شاہ کے اشعار میں وہ پختگی نہ تھی جو بعد کے زمانہ میں ان کو حاصل ہوئی ۔ مثلاً آن کا ابتدائی کلام ہے :

اک ہس ہس گلاں کردیاں
اک روندیاں دھوندیاں مردیاں
کہو پُھلّی بسنت بہار نوں
دل لوچے ماہی یار نوں

میں دُوتیاں گھائل کیتی آں
سُولاں گھیر چو پھیروں لیتی آں
گھر آ ماہی دیدار نوں
دل لوچے ماہی یار نوں

بُلّھا ہن ساجن گھر آیا
میں گھٹ رانجھن گل لایا
دکھ گئے سمندروں پار نوں
دل لوچے ماہی یار نوں[۴۱]

یہ کافی اپنی جگہ ایک حسن رکھتی ہے لیکن زور تخیل کے لحاظ سے اتنی پایہ کی نہیں ہے جو بلھے شاہ کی شاعری کی خصوصیت ہے ۔ اس دور میں بُلھے شاہ اسلام اور شریعت محمدی پر سختی سے کار بند نظر آتا ہے ۔ وہ لیکیوں کی طرف بلاتا ہے تاکہ موت سے پہلے انسان کچھ نیک کام کرے اگر موت آ گئی اور نیکی کا کوئی کام نہ ہو سکا تو زندگی بیکار گئی ۔ وہ دوزخ اور عذاب قبر سے انسان کو آگا کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے :

اٹھ جاگ ، گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں
اک روز جہانوں جانا اے
جا قبرے وچہ سمانا اے
تیرا گوشت کیڑیاں کھانا اے
کر چیتا مرگ وِسار نہیں

اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں
توں ایس جہانوں جائیں گی
پھر قدم نہ ایتھے پائیں گی
ایہہ جوبن رُوپ ونجائیں گی
تیں رہناں وچ سنسار نہیں

اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں
کتھے ہے سلطان سکندر
موت نہ چھڈے پیر پیغمبر

سبّھے چھڈ چھڈ گئے اڈنبر
کوئی ایتھے پائیدار نہیں

آٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہ سون تیرے درکار نہیں

جو کُجھ کرسکیں، سو کُجھ پاسیں
نہیں تے اوڑک پچھوں تاسیں
سُنجی کونج وانگوں کُرلاسیں
کھنّباں باہجھ آڈار نہیں

آٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہ سون تیرے درکار نہیں

بُلھا شوہ بن کوئی ناہیں
ایتھے اوتھے دُوہیں سرائیں
سنبھل سنبھل قدم ٹکائیں
فیر آون دوجی وار نہیں

آٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہ سون تیرے درکار نہیں

بُلھے شاہ بار بار تاکید کرتا ہے کہ بغیر مرشد کے انسان کی زندگی بیکار ہے۔ اس لیے آدمی کو کسی رہبر کی رہنمائی میں زندگی گزارنی چاہیے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ وہ لکھتا ہے :

نہ تیرا اے، نہ میرا اے
جگ فانی جھگڑا جھیڑا ہے
بنا مرشد رہبر کیہڑا اے
پڑھ : فاذ کرونی آذ کُر کُمْ

بُلھے شاہ ایہہ بات اشارے دی
جنھاں لگی تانگھ نظارے دی
دس پئی منزل ونجارے دی
ہے یَدُ اللہ فوق ایدیکُم[۳۳]

بُھلّے شاہ نصیحت کرتے ہیں۔ کہ انسان کو مغرور بن کر نہیں رہنا چاہیے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ یہاں سوائے خدا سب فانی ہیں اور یہاں کسی کا نام و نشان باقی نہ رہے گا اس لیے اسے چاہیے کہ جس قدر ہو سکے نیکی کا کام کرے کیونکہ نیکیاں ہی آئندہ زندگی میں کام آئیں گی :

کر مان نہ حسن جوانی دا
پردیس نہ رہن سیلانی دا

اس دنیا جھوٹھی فانی دا
نہ رہسی نام نشان کوڑے
کر کتن ول دھیان کوڑے[۳۴]

بحیثیت معلم اخلاق بُلّھے شاہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ غفّار اور غفور الرحیم ہے ۔ اگر انسان صحیح معنوں میں دل میں اپنے گناہوں سے توبہ کر لے تو خدا جو غفّار ہے، انسان کی توبہ قبول کر لیتا ہے ۔ لیکن اگر اس کا ظاہر اور ہے اور باطن کچھ اور تو پھر ایسی توبہ سے فائدہ کیا ؟ یہ مسلمان کا کردار نہیں ہے کہ اس کا ظاہر باطن سے مختلف ہو ۔ وہ فرماتے ہیں :

کیسی توبہ ہے ! یہ توبہ نہ کر یار
'مونہوں توبہ' دلوں نہ کردا اس توبہ تھیں ترک نہ پھڑدا
کس غفلت نے پایو پردا تینوں بخشے کیوں غفّار
سانویں دے کے لویں سوائے ڈہڈیاں آتے بازی لائے
مسلمانی اوہ کتھوں پائے جس دا ہووے ایہ کردار[۳۵]

پہلے دور میں بلھے شاہ شریعت محمدی کے مطابق زندگی بسر کرنے پر زور دیتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ کلمہ طیبہ اور سنت رسول کی پیروی کرنے کو ہی روحانی فیض حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں ۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اذن رسولی سے میرا دل پھول کی طرح کھل پڑا ہے ۔ وہ رسالتمآبؐ کی یوں تعریف کرتے ہیں :

ک ۔ کلام نبی دی سچی سِر لبیاں دے سائیں
صورت پاک نبی دی جھیا چند سورج بھی ناہیں
ہیرے موتی لعل جواہر پہنچے اوتھے ناہیں
مجلس اوس نبیؐ دی بہہ کے بُلھا کون کہاوے
لاگی رے لاگی بل بل جاوے
اس لاگی کو کون بجھاوے[۳۶]

بُلھے شاہ ہر وقت ذکر خدا میں مشغول رہنے کی نصیحت فرماتے ہیں ۔ اور رسول اکرمؐ کی قربت حاصل کرنے میں بے قرار نظر آتے ہیں ۔ ان خیالات کا اظہار وہ ایک سی حرفی میں یوں کرتے ہیں :

ط ۔ طلب دیدار دی آہی کیتا کرم ستّار
جلوہ پھیر الٰہی دتّا حضرت نوں غفّار
ہتھ نورانی غیبوں آوے مندری دا چمکار
بُلھا خلق محمدی کیتو تاں ایہہ کیہہ کہاوے
لاگی رے لاگی بل بل جاوے

ل ۔ لَا اِلٰہ دا ذکر بتاؤ
اِلا اللہ اثبات کراؤ
محمد رسول اللہ میل کراؤ
بُلھا ایہہ تحفہ آدم نوں آوے
لاگی رہے لاگی بل بل جاوے
اس لاگی کو کون بجھاوے

بُلھے شاہ کو یقین کامل ہے کہ اگر انسان احکام خداوندی کی پیروی کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب قبر سے نجات دلائے گا۔ اور روز محشر پل صراط سے آسانی سے پار کرا دے گا ۔ گویا اس دور میں بُلھے شاہ کو قرآن پر عمل کرنے اور شریعت رسولؐ کی پیروی ہی میں نجات نظر آتی ہے :

ہ ۔ ہولیں ہولیں ایتھے بھائی مت کوئی سُنے سُناوے
وڈا عذاب قبر دا دسّے جے کوئی چا چھڈاوے
پل صراط دی اوکھی گھاٹی اوہ بھی خوف ڈراوے
رکھ امید فضل دی بُلھیا اللہ آپ بچاوے[۳۷]

بُلھے شاہ رسول اکرمؐ کی یوں تعریف کرتے ہیں[۳۸] :

سورت یٰسین مزمل والے بدلاں گرج سنبھالی او یار
زلف سیہ دے وچ ید بیضا دے چمکار وکھالی او یار
جو رنگ رنگیا گوڑھا رنگیا مرشد والی لالی او یار

پیارا پہن پوشاکاں آیا آدم اپنا نام دھرایا
احد تے احمد بن آیا نبیاں دا سردار
ہن میں لکھیا سوہنا یار جس سے حسن دا گرم بازار

جاں راہ شرع دا پکڑیں گا توں اوٹ محمدی ہووے گی
کہندے نیں پر کردے ناہیں ایہو خلقت روے گی

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے بُلھے شاہ اس دور میں خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ وہ قرآن اور شریعت کی باتیں کرتے ہیں ۔ وہ عذاب قبر اور روز محشر سے لوگوں کو ڈراتے ہیں اور نیک کام کرنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ قانون عشق میں لکھا ہے کہ بُلھے شاہ اولیاء کاملین اور پیشوائے عارفین سے تھے[۳۹]۔

دوسرے دور میں بُلھے شاہ اپنے مرشد کی محبت اور احترام میں سرشار نظر آتے ہیں ۔ اس دور میں وہ اپنے مرشد کی محبت کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا ایک ذریعہ بتاتے ہیں ۔ ان کے کلام میں اپنے پیر و مرشد سے والہانہ عقیدت کا اظہار ہے ۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بُلھے شاہ معشوق حقیقی کی زندہ اور مستعمل صوفیانہ تصویر پیش کرتے ہیں ۔ تصوف کی اصطلاح میں معشوق سے ہمیشہ خدا تعالیٰ مراد لی جاتی ہے ۔ اور معشوق حقیقی کی یہ تصویر صوفیانہ شاعری کی ایک خصوصیت ہے[۴۰]۔ وہ اپنے پیر سے عقیدت اور محبت کا یوں اظہار کرتے ہیں :

جد میں سبق عشق دا پڑھیا دریا دیکھ وحدت دا ڈریا
گھمن گھیراں دے وچ اڑیا شاہ عنایت لایا پار
علموں بس کریں یار[۴۱]

ایک اور جگہ اپنے مرشد کی یوں تعریف کرتے ہیں :

حاجی لوک مکے نوں جاندے میرا رانجھا ماہی مکہ نی میں کملی ہاں
حاجی لوک مکے نوں جاندے میرے گھر وچ نو شوہ مکہ نی میں کملی ہاں
جت دل یار اوتے دل کعبہ بھاویں پھول کتاباں چارے نی میں کملی ہاں[۴۲]

بُلھے شاہ کے نزدیک اپنے مرشد کو دیکھ لینا کعبہ کی زیارت کے برابر ہے :

ایس عشقے دی جھنگی وچ مور بولیندا
سانوں قبلہ نے کعبہ سوہنا یار وسیندا
سانوں گھائل کر کے پھیر خبر نہ لئیا
تیرے عشق نچائیا کر کے تھیا تھیا[۴۳]

بُلھے شاہ کو اپنے مرشد کے ملنے کی خوشی میں سب کچھ بھولنے حتیٰ کہ وہ ارکان اسلام جو فرض ہیں یعنی کلمہ، نماز، روزہ، حج ز کواۃ سے گزرنے کی باتیں کرنے لگے ۔ فنا فی الشیخ کی اسی منزل کا ذکر وہ خود یوں کرتے ہیں :

روزے، حج، نماز نی مائے
مینوں پیا نے آن بھلائے
جاں پیا دیاں خبراں پئیاں
منطق، نحو سبھے بھل گئیاں
اس الحد دے تار بجائے

روزے، حج، نماز نی مائے
مینوں پیا نے آن بھلائے
جاں پیا میرے گھر آیا
بُھلّی مینوں شرح وقایہ
ہر مظہر وچ اوہا دِسدا

اندر باہر جلوہ اِسدا
بلھے نوں خبر نہ کائے
روزے، حج، نماز نی مائے
مینوں پیا نے آن بھلائے۴۴

محبوب کا چہرہ دیکھ لینے میں یعنی وصال یار میں عجیب ہی لطف آتا ہے۔ عاشق یعنی بلھے شاہ ان لمحات کو جو انسان کی زندگی میں کبھی کبھی آتے ہیں مقید کر لینے کی تمنا کرتا ہے۔ ان ہی خیالات کا اظہار بلھے شاہ یوں کرتے ہیں:

گھڑیالی دیو نکال نی
اج ہی گھر آیا لال نی
گھڑی گھڑی گھڑیال بجاوے
رین وصل دی پیا گھٹاوے
میرے من دی بات جے پاوے
ہتھوں چا سٹے کھڑیال نی
گھڑیالی دیو نکال نی
مکھ دیکھن دا عجب نظارہ
دکھ دلے دا اٹھ گیا سارا
رین وڈی کیا کرے پسارا
دن اگے، دھرو دیوال نی
گھڑیالی دیو نکال نی
بلھا شوہ دی چھیج پیاری
نی میں تارن ہارے تاری
کویں کویں ہُن انی واری
ہُن وچھڑن ہویا محال نی
گھڑیالی دیو نکال نی۴۵

شاعر کہتا ہے کہ وصل یار نے میرے سارے دکھ درد دور کر دیے ہیں۔ کاش یہ رات لمبی ہوتی۔ سورج کی کرنوں کے آگے ایک اونچی دیوار کھڑی کر دو تاکہ رات لمبی معلوم ہو۔ گھڑیالی کو نکال دو کیونکہ اب میرا پیا گھر آ گیا ہے۔ پہرے دار ہر گھڑی گھنٹہ بجاتا ہے اور اس طرح وصل کی رات کو کم کر دیتا ہے۔ اس کو نکال باہر کرو۔ اے بلھے شاہ، محبوب کے پھولوں کی سیج بہت ہی پیاری معلوم دیتی ہے۔ اس لیے میں نے محبت کی ندی جو اتنی مشکل تھی پار کر لی ہے۔ یعنی مجھے میرا محبوب کتنی مشکلات جھیلنے کے بعد ملا ہے۔ اب اس سے بچھڑنا

بہت محال ہے ۔ گھڑیالی کو باہر نکال دو کہ میرا پی اب میرے گھر آیا ہوا ہے ۔

ایک بار شاہ عنایت قادری، بُلھے شاہ سے ناراض ہو گئے ۔ تواریخ میں اس ناراضگی کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں ۔ مثلاً مطیع الرحمن قریشی نے 'تذکرہ بُلھے شاہ' میں لکھا ہے کہ ایک بار بُلھے شاہ اپنے استاد حافظ غلام مرتضیٰ کی بیٹیوں کی شادی کے موقعہ پر مہمانوں کی خاطر و مدارت میں مشغول تھے اور وہ مولوی ظہور محمد صاحب جو سید عنایت شاہ کے داماد ، بھتیجے اور مرید تھے کو پوری توجہ نہ دے سکے جس پر مولوی صاحب ناراض ہو کر واپس لاہور آ گئے اور عنایت شاہ سے بُلھے شاہ کی عدم توجہی کی شکایت کی ۔ جس پر عنایت شاہ جلال میں آ گئے اور انھوں نے بُلھے شاہ سے اس کی تمام ولایت سلب کر لی[۴۶]۔ جب کہ عبد المجید بھٹی نے اپنی کتاب ''کافیاں بُلھے شاہ'' میں عنایت شاہ کی ناراضگی کی اور ہی وجہ لکھی ہے وہ تحریر کرتے ہیں کہ شاہ عنایت کا مسلک آزادانہ تھا اور حکومت وقت ایسے صوفیاء کے خلاف تھی جو شریعت کی بجائے طریقت اور حقیقت کا پرچار کرتے تھے ۔ عنایت شاہ بھی بُلھے شاہ کو اپنے مسلک پر چلانا چاہتے تھے مگر بُلھے شاہ کو آزادانہ مسلک اختیار کرنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ جس پر عنایت شاہ کو دکھ ہوا اور وہ بُلھے شاہ سے ناراض ہو گئے[۴۷]۔ مگر حقیقت اس کے برعکس دکھائی دیتی ہے ۔

اس بارے میں ڈاکٹر لاجونتی اور ڈاکٹر عبدالغنی نے جو تحقیق کی ہے ۔ اور اس تحقیق کی روشنی میں دونوں محققین جس ایک نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ درست معلوم ہوتا ہے ۔ یہ ٹھیک ہے کہ حاکم قصور اور علماء وقت صوفیاء کے آزادانہ مسلک کے خلاف تھے ۔ مگر عنایت شاہ آزادانہ مسلک کے صوفی نہ تھے ۔ وہ چونکہ خود پابند شریعت تھے اس لیے چاہتے تھے کہ بُلھے شاہ بھی شریعت کی پابندی کرتے ہوئے راہ طریقت اختیار کریں ۔ مگر بُلھے شاہ بعض اوقات ایسے الفاظ کہہ جاتے جو احکام شرع کے مطابق نہ تھے اور قابل گرفت تھے ۔ چنانچہ اس بناء پر وہ بلھے شاہ سے ناراض ہو گئے تھے[۴۸]۔ نیز بُلھے شاہ کا اپنا کلام بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ وہ آزادانہ مسلک کے دلدادہ تھے اور مکمل طور پر ظاہری شریعت کی پابندی سے آزاد ہونے کی باتیں کرتے تھے ۔ نمونہ کے طور پر ان کا کلام ملاحظہ ہو[۴۹] :

بُلھے نوں لوک متیں دیندے بُلھیا توں جا ہوہ مسیتی
وچ مسیتاں کیہہ کجھ ہُندا جے دلوں نماز نہ نیتی
باہروں پاک کیتے کیہہ ہُندا جے اندروں نہ کئی پلیتی
بن مرشد کامل بُلھیا تیری اینویں گئی عبادت کیتی

بُلھیا کیہا حرام تے پڑھ شکرانہ کر توبہ ترک ثوابوں
چھوڑ مسیت تے پکڑ کنارہ تیری چھٹی جان عذابوں

اوہ حرف نہ پڑھئیے مت رہسی جان جوابوں
بُلھے شاہ چل اوتھے چلیے جھڑے منع نہ کرن شرابوں

بلُھیا پی شراب تے کھا کباب ہیٹھ بال ہڈاں دی اگ
چوری کر تے بھن گھر رب دا اوس ٹھگاندے ٹھگ نوں ٹھگ

مرشد سے دوری کے اس زمانہ میں بُلھے شاہ کے دل میں مرشد کی محبت اور بھی زیادہ ہوگئی - وہ مرشد سے ملنے کے لیے بیقرار نظر آتے ہیں - وہ اسے منانے کے لیے ہزار جتن کرتے ہیں اور اسی سلسلہ میں خدا سے بار بار دعائیں مانگتے ہیں - وہ اپنے مرشد سے اپنے اشعار کے ذریعہ معافی مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں :

مینوں چھڈ گئے آپ لد گئے
میں وچ کیہہ تقصیر
راتیں نیند نہ دن سُکھ سُتّی
اکھیں پلٹیا نیر
چھویاں تے تلواراں کولوں
عشق دے تکھے تیر
مینوں چھڈ گئے آپ لد گئے
میں وچ کیہہ تقصیر
عشقے جیڈ نہ ظالم کوئی
اے زحمت بے پیر
اک پل ساعت آرام نہ آوے
بُری برہوں دی پیڑ
مینوں چھڈ گئے آپ لد گئے
میں وچ کیہہ تقصیر
بُلھا شوہ جے کرے عنایت
دکھ ہوون تغئیر
مینوں چھڈ گئے آپ لد گئے۔۔

مندرجہ بالا کافی میں بُلھے شاہ کہتے ہیں کہ میرا محبوب چلا گیا ہے - اور مجھے ہمیشہ کے لیے فراق میں جلتا چھوڑ گیا ہے - آخر مجھ سے ایسا کونسا قصور سرزد ہوا ہے ، رات رات بھر میری آنکھ نہیں لگتی اور دن کو بھی میں روتا رہتا ہوں - عشق کا تیر کٹار اور تلوار سے بھی زیادہ خوفناک اور تیکھا ہے - یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ میں آجکل بغیر مرشد کے ہوں - محبت کی جدائی کی تکلیف بہت ہے - مجھے پل بھر کے لیے بھی چین نصیب نہیں - بُلھے شاہ اگر وہ عنایت کرے (یہاں

عنایت کا لفظ ذو معنی استعمال ہوا ہے) تو میری تمام تکالیف دور ہو سکتی ہے اور میرے دن آرام میں بدل سکتے ہیں۔

بُلھے شاہ کو اپنے مرشد عنایت شاہ سے اسی طرح عشق تھا جس طرح مولانا جلال الدین رومی کو اپنے مرشد شمس تبریز سے تھا۔ اور مولانا رومی نے شمس تبریز کی فرقت میں ایک ضخیم دیوان لکھ ڈالا۔ اور جگہ جگہ شمس تبریز کا نام اپنی تسکین دل کی خاطر لکھتے رہے۔ اسی طرح بُلھے شاہ بھی اپنے کلام میں جا بجا اپنے مرشد عنایت شاہ کا نام لکھتے رہے۔ مثلاً

کدی آ مل یار پیاریا
بُلھا شوہ میرے گھر آؤسی
میری بلدی بھاہ بجھاؤسی
عنایت دم دم نال چتاریا
کدی آ مل یار پیاریا[۵۱]

بُلھا! شوہ نے آندا مینوں عنایت دے ہوے
جس نے منیوں پوائے چولے ساوے تے سُوہے
جاں میں ماری ہے اڈی مل پیا ہے وہّیا
تیرے عشق نچائیاں کرکے تھّیا تھّیا[۵۲]

دیکھو نی شوہ عنایت سائیں
میں نال کردا کویں ادائیں
کدی آوے کدی آوے ناہیں
تیئوں تیئوں مینوں بھڑکن بھائیں
نام اللہ پیغام سنائیں
مکھ ویکھن توں نہ ترسائیں
دیکھو نی شوہ عنایت سائیں
میں نال کردا کویں ادائیں[۵۳]

میرے ماہی کیوں چر لایا اے
بُلھا گھر وچ لپٹ لگائیں
رستے توں سب بن تن آئیں
میں دیکھاں آ عنایت سائیں
جس تینوں شوہ ملایا اے
میرے ماہی کیوں چر لایا اے[۵۴]

مینوں آن نظارے تایا ہے دو نیناں برکھا لایا ہے
جویں ہر روز عنایت آیا ہے اینویں اپنا آپ جتاؤگے
کبھی اپنی آکھ بولاؤگے ۰۰

میں تیرے قربان
ویہڑے آوڑ میرے
شاہ عنایت سائیں میرے
مایے چھوڑ لگی لڑ تیرے
لائیاں دی لج جان
میں تیرے قربان
ویہڑے آوڑ میرے ۰۶

مرشد سے دوری سخت مصیبت کا باعث بن گئی - زندگی پھیکی پھیکی نظر آنے لگی وہ بھری آباد دنیا میں اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے - اس کے لیے تو سب کچھ اس کا مرشد ہی ہے - بالآخر وہ ایک ناچنے والی کا روپ دھار کر اپنے محبوب کی جو کھٹ پر پہنچ جاتا ہے اور اسے منا لیتا ہے - عنایت شاہ بُلھے شاہ کو گلے لگا لیتے ہیں - بُلھے شاہ ان جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں :

اک رانجھا مینوں لوڑی دا
رانجھے جیہا مینوں ہور نہ کوئی
منتاں کر کر موڑی دا
اک رانجھا مینوں لوڑی دا ۰۷

اپنے مرشد سے وصال کے بعد بُلھے شاہ کتنے خوش نظر آتے ہیں - اور لوگوں کو بتلاتے ہیں :

آؤ نی سیّو رَل دیہو نی ودھائی میں در پایا رانجھن ماہی
اج تاں روز مبارک چڑھیا
رانجھا ساڈے ویہڑے وڑیا
ہتھ کھونڈی موہڈے کمبل دھریا
چاکاں والی شکل بنائی
آؤ نی سیّو رَل دیہو نی ودھائی میں در پایا رانجھن ماہی ۰۸

آکھاں دے دل جانی پیاریا مینوں کیہی چیٹک لائیا ای
شوہ بُلھے دے سر پر برقع
تیرے عشق نچایا ای

آکھاں دے دل جانی پیاریا مینوں کیہی چیٹک لائیا ای[۵۹]

کون آیا پہن لباس کُڑے تسی پچھو نال اخلاص کُڑے
ہتھ کھونڈی موہڈے کمبل کالا
اکھیاں دے وچ دِسّے اجالا
چاک نہیں کوئی ہے متوالا
پچھو بٹھا کے پاس کُڑے
کون آیا پہن لباس کُڑے تسی پچھو نال اخلاص کُڑے[۶۰]

بُلھے شاہ کی صوفیانہ زندگی کا تیسرا دور سب سے اہم اور انوکھا دور ہے۔ اس دور میں وحدت الوجود کے اثرات ان پر گہرے ہو گئے اور انھیں ہر شے میں محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آنے لگا۔ وہ پکار اٹھے:

ہُن میں لکھیا سوہنا یار جس دے حسن دا گرم بازار
جد احمد اک اکلا سی
نہ ظاہر کوئی تجلی سی
نہ رب رسول نہ اللہ سی
نہ جبّار نے نہ قہار
ہُن میں لکھیا سوہنا یار جس دے حسن دا گرم بازار
بے چون و بے چگونہ سی
بے شبیہہ بے نمونہ سی
نہ کوئی رنگ نہ نمونہ سی
ہن گوناں گون ہزار
ہُن میں لکھیا سوہنا یار جس دے حسن دا گرم بازار[۶۱]

جب بُلھے شاہ نے دنیا کی بے ثباتی کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تو خدا اور انسان کے درمیان تعلق اور بھی پیارا نظر آنے لگا۔ اس کی نگاہ میں انسان صرف انسان کے ناطے قابل عزت ہے۔ مرتبہ اور دولت کی وجہ سے نہیں۔ وہ وحدت اور محبت کے مسلک کے پیش نظر سب انسانوں کو برابر جانتے ہیں۔ اس جذبہ کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں:

ہندو نہیں نہ مسلمان بھے ترنجن، تج ابھمان
سنی نہ، نہیں ہم شیعا صلح کل کا مارگ لیا

بھکھے نہ، نہیں ہم رجّے ننگے نہ، نہیں ہم کجّے
بُلھے شاہ! جو ہر چت لاگے
ترک اور ہندو دوجن تیاگے[۶۲]

تصوف کی گہرائیوں میں ڈوب کر خدا کا تصور بایزید بسطامی ، منصور الحلاج اور جلال الدین رومی نے کافی عرصہ بعد حاصل کیا ۔ مگر بلھے شاہ شطّاری ہونے کے ناطے اور اپنے مرشد کی رہنمائی کی بدولت جلد اس مقام کو پا لیتے ہیں ۔ وہ خدا تعالیٰ کو ہر چیز میں دیکھتے ہیں ۔ وہ ''وحدت الوجود'' اور ''ہمہ اوست'' کے قائل ہیں ۔ وہ خداوند کریم کو ہر چیز میں دیکھتے ہیں ۔ وہ رسم اور رواج ، ملک و مذہب اور ذات پات کی پرواہ نہیں کرتے[۶۳]۔ ایسے صوفیاء کے تصوف کی آخری منزل فنا فی اللہ ہوتی ہے ۔ تصوف کی یہی وہ نازک حدود ہوتی ہیں کہ اگر ایک صوفی میں ایمان کی پختگی نہ ہو تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ۔ اور اس پر کفر کا فتویٰ لگ جاتا ہے ۔ اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تصوف میں در اصل ایک صوفی کی آخری منزل فنا فی اللہ ہی میں مضمر ہے ۔

بُلھے شاہ صحیح معنوں میں تصوف کی راہ پر چلتے ہوئے اپنی ہستی کو ختم کر دینا چاہتے ہیں تا کہ وہ اپنے محبوب سے واصل ہو جائے ۔ وہ خود شناسی میں کھو جاتے ہیں ۔ وہ عالم تحیر میں غوطہ زن ہو کر اپنے وجود کے لیے ایک استفہام بن جاتے ہیں ۔ وہ اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کون ہیں ؟ ان کا وجود کیا ہے ؟ وہ مذہب کا راز ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ وہ اپنے ضمیر اور اپنے دل سے سوال کرتے ہیں :

نہ میں مومن وچ مسیتاں
نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں
نہ میں پاکاں وچ پلیتاں
نہ میں موسیٰ ، نہ فرعون
بُلھیا کیہہ جاناں میں کون

نہ میں عربی، نہ لاہوری
نہ میں ہندی شہر ناگوری
نہ میں ہندو ترک پشوری
نہ میں رہندا وچ ندون
بُلھیا کیہہ جاناں میں کون

نہ میں بھیت مذہب دا پایا
نہ میں آدم حوا جایا
نہ میں اپنا نام دھرایا
نہ وچ بیٹھن نہ وچ سون
بُلھیا کیہہ جاناں میں کون

اول آخر آپ نوں جاناں
نہ کوئی دوجا ہور پچھاناں
میتھوں ہور نہ کوئی سیاناں
بُلھیا شوہ کھڑا ہے کون
بُلھیا کیہہ جاناں میں کون[۶۴]

انسان کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے - میں اور انسان ؟ یہ ایسے سوال ہیں جن کے متعلق شاعر اور بڑے بڑے فلاسفر ہمیشہ سے پوچھتے آئے ہیں - مگر یہ سوال جو بُلھے شاہ نے پوچھا ہے کہ ''میں خود کون ہوں'' کم ہی پوچھا گیا ہے اور پھر خود ہی سوال کا جواب دیتا ہے - کہ نہ تو میں پاک مسلمان نمازی ہوں اور نہ ہی کافروں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہوں - نہ تو میں خدا کی جالب سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں اور نہ ہی شیطان کا نمائندہ (فرعون کی صورت میں) - نہ ہی میں ہندو ہوں اور نہ ہی ترک مسلمان - پھر وہ خود ہی جواب دیتا ہے کہ یہ مختلف مذاہب کیوں ہیں - میں آدم و حوا کی نسل میں سے نہیں ہوں - میرا نفس ان عناصر سے علیحدہ ہی کوئی چیز ہے - جو ازلی ابدی بھی ہے اور محیط کُل بھی - یعنی وہ اپنے نفس ہی کو حقیقت اولی گردانتا ہے - دیوان شمس تبریز کی ایک غزل کا مضمون بُلھے شاہ کی اس کافی کے بہت قریب ہے - دیوان شمس تبریز در اصل مولانا جلال‌الدین رومی کی تصنیف ہے جو انھوں نے اپنے مرشد کی یاد میں لکھا ہے - مولانا رومی کی اس غزل کے چند اشعار یوں ہیں :

چہ تدبیر اے مسلماناں کہ من خود را نمے دانم
نہ ترسا ، نے یہودم من ، نے گبرم نے مسلمانم

ترجمہ : اے مسلمانو میں کیا تدابیر اختیار کروں کہ میں اپنے آپ کو نہیں پہچانتا میں نہ تو عیسائی ہوں اور نہ ہی یہودی ، نہ میں آتش پرست ہوں اور نہ مسلمان -

مولانا روم :

نہ از ہندم نہ از چینم نہ از بلغار و سقسینم

ترجمہ : نہ میں ہندوستان سے ہوں ، نہ چین کا باشندہ ہوں ، نہ بلغاریہ سے ہوں اور نہ ہی سقسین سے ہوں -

مولانا روم :

نہ از آدم نہ از حوا نہ از فردوس و رضوانم
نہ از کان طبیعیم نہ از افلاک گردانم

ترجمہ : نہ میں آدم سے ہوں اور نہ ہی حوا سے ، نہ میں فردوس سے ہوں اور نہ ہی بہشت سے ، نہ میں قدرتی کان سے ہوں اور نہ ہی گھومنے والے آسمان سے -

مولانا روم :

هو الاوّل هو الآخر هو الظاهر هو الباطن
بجز یا هُو و یا من هُو کسے دیگر نمے دانم

ترجمہ : وہی اول ہے ، وہی آخر ، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ۔ میں سوائے ''یا ہو'' اور ''یا من ہُو'' کے کسی کو نہیں جانتا[۶۵] ۔

اسی طرح بُلھے شاہ ایک اور کافی میں فرماتے ہیں :

نی سیّو میں گئی گواچی کھول گھونگھٹ مُکھ ناچی
نام نشان نہ میرا سیّو
جو آکھاں تسی چپ کر رہیو
ایہہ گل ہور کسے نہ کہیو
بُلھا ہوب حقیقت جاچی[۶۶]

بُلھے شاہ اپنے محبوب کی تلاش میں اپنی ہستی کو کھو دیتا ہے ۔ ذیل کی کافی میں یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جب ایک صوفی نے اپنی خودی کو پریم نگر کے شہر یعنی جذبہ عشق میں اس درجہ تک محو کر دیا کہ اسے پھر اپنے آپ کی ہوش ہی باقی نہ رہی تب جا کر اُس پر یہ ظاہر ہوا کہ دونوں جہان میں سوائے محبوب کے اور کوئی موجود نہیں ۔ انور رہتکی نے قانون عشق میں بُلھے شاہ کی اس کافی کو اُس کے جذبے کا آخری مقام قرار دیا ہے ۔ کافی ملاحظہ ہو :

اب ہم گم ہوئے پریم نگر کے شہر
اپنے آپ نوں سودھ ریا ہاں
نہ سر ہاتھ ، نہ پیر
لتھے پگڑے پہلے گھر تھیں
کون کرے نر ویر
خودی کھوئی اپنا پرچیتا
تب ہوئی گل خیر
بُلھا شوہ دوہیں جہانیں
کوئی نہ دسدا غیر
اب ہم گم ہوئے پریم نگر کے شہر[۶۷]

ذیل میں دی گئی کافی ''رانجھا رانجھا کر دی'' بُلھے شاہ کی مشہور کافی ہے ۔ یہ فنا فی المحبوب کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ ہیر تو بس ایک ہی چیز جانتی تھی ۔ وہ تھی ایفائے عہد ۔ اس لیے وہ ''غیر خیال'' کو پیچھے جھوڑتی ہوئی رانجھے کے نام کا ہی ورد کرتی ہے اور بالآخر ''انا رانجھا'' کہتی ہوئی اس منزل کو پا لیتی ہے ۔ جس کو پا کر کبھی اس سے پیشتر منصور حلاج نے ''انا الحق'' پکارا تھا ۔ کافی ملاحظہ ہو :

رانجھا رانجھا کر دی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدّو نی مینوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی
رانجھا میں وچ میں رانجھے وچ ہور خیال نہ کوئی
میں نہیں اوہ آپ ہے اپنی آپ کرے دلجوئی
رانجھا رانجھا کر دی نی میں آپے رانجھا ہوئی[۶۸]

اسی خیال کو بُلھے شاہ نے ایک دوسری کافی میں یوں باندھا ہے :

پیا پیا کرتے ہمیں پیا ہوئے
اب پیا کس نوں کہیے
ہجر وصل ہم دونوں چھوڑے ، اب کس کے ہو رئیے
پیا پیا کرتے ہمیں پیا ہوئے
اب پیا کسی نوں کہیے[۶۹]

اللہ تعالی سے ہمکلام ہوتے ہوئے بُلھے شاہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی تُو تو ہر رنگ میں موجود ہے صرف عالم قدس ہی میں کیا ۔ تم نے کن فیکون کہہ کر دنیا بنا ڈالی اور اپنا جلوہ موجودات میں دکھایا پہلے عشق کرنا سکھایا بعد میں خود ہی عاشق بن بیٹھے ۔ اپنی وحدت خود ہی سمجھاؤ اور خود ہی انا الحق کا ساز بجاتے ہو ۔ کافی ملاحظہ ہو :

کھنّوں لا مکانی وسدے ہو
تسی ہر رنگ دے وچ وسدے ہو
کُن فیکون تیں کمایا
تیں باہجوں ہور کیہڑا آیا
عشقوں سارا ظہور بنایا
عاشق ہو کے وسدے ہو
کھنّوں لا مکانی وسدے ہو
آپے گانویں آپ وجانویں
انا الحق دی تار ہلانویں[۷۰]

بُلھے شاہ نام نہاد علماء کے خلاف ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے علم سے کیا فائدہ جب تم اپنا باطن تو ٹھیک کر نہیں سکتے ۔ لوگوں کو بیوقوف بناتے ہو ۔ الٹے سیدھے مسئلے بتاتے ہو ۔ جب کہ تمہیں فقہ اور ان کے مسائل کا رتی بھر علم نہیں ۔ لوگوں کو بتانے کے لیے اذانیں دیتے ہو ، نفل پڑھتے ہو ، منبر پر چڑھ کر وعظ کرتے ہو اور یہ سب کچھ حرص کی خاطر یعنی دولت اکٹھی کرنے کے لیے کرتے ہو جب کہ ایک طرف تم نیکی کا پرچار کرتے ہو جب کہ دوسری

طرف تم حرام کھاتے ہو - تم ظاہراً بڑے پاک بنتے ہو جب کہ تمہارا باطن سیاہ ہے - یہ کافی بڑی لمبی ہے - چند اشعار ملاحظہ کیجیے :

علموں بس کریں او یار
پڑھ پڑھ علم لگاویں ڈھیر
قرآن کتاباں چار چوفیر
گردے چانن وچ انھیر
باہجوں راہبر خبر نہ سار
علموں بس کریں او یار
پڑھ پڑھ شیخ مشائخ کہاویں
آلٹے مسئلے گھروں بتاویں
بے عقلاں نوں لُٹ لُٹ کھاویں
آلٹے سدھے کریں قرار
علموں بس کریں او یار
پڑھ پڑھ مسئلے روز سناویں
کھانا شک شبے دا کھاویں
وسّیں ہور تے ہور کماویں
اندر کھوٹ باہر سچیار
علموں بس کریں او یار[۷۱]

انہیں خیالات کا اظہار وہ ایک دوسری کافی میں بھی کرتے ہیں کہ لوگ بظاہر بہت عبادت کرتے ہیں مگر وہ کفر کی باتیں کرتے ہیں - عوام کو دھوکا دینے کی خاطر نمازیں پڑھتے ہیں - اُن کے ماتھے پر محراب ہوتی ہے ، لوگ حج کر آتے ہیں اور بڑے فخر سے حاجی کہلاتے ہیں - مگر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں - سچی بات تو یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اور باطن ایک ہونا چاہیے - بُلھے شاہ کی کافی یوں ہے :

انویں متھا زمین گھسائی دا
لماں پا محراب دکھائی دا
پڑھ کلمہ لوک ہسائی دا
دل اندر سمجھ نہ لیائی دا
کدی بات سچی بی مُکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے
کئی حاجی بن بن آئے جی
گل نیلے جامے پائے جی

حج ویچ ٹکے لے گھائے جی
بھلا ! یہ گل کہنوں بھائے جی
کدی بات سچی بی لکدی اے
اک نقطے وچ گل مکدی اے۷۲

بُلھے شاہ ذات پات کے خلاف ہیں وہ شیعہ اور سنی کے جھگڑے سے دور بھاگتے ہیں ۔ اُن کی ذات محض انسانیت ہے ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے ہونا چاہتے ہیں ۔ وہ تو محبوب حقیقی کے عاشق ہیں ۔ ان خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں :

مینوں عشق ہلارے دیندا
مونہہ چڑھیا یار بلیندا
کیہ پچھدا ہیں ذات صفات میری
اوہو آدم والی ذات میری
نحنُ اقربُ دے وچ گھات میری
وِچ رب دا سر جلھیندا
مینوں عشق ہلارے دیندا
کتے شیعہ اے ، کتے سُنّی اے
کِتے جٹا دھاری کتے مُنّی اے
سیری سب سے فارغ کنی اے
جو کہاں سو یار منیندا
مینوں عشق ہلارے دیندا۷۳

بُلھے شاہ کے نزدیک ایک مرشد کامل سے رہنمائی حاصل کیئے بغیر عبادت بیکار ہوتی ہے ۔ مرشد کامل ہی اپنے مرید کے باطن کو پاک کرتا ہے ۔ اگر انسان کا ظاہر کچھ اور ہے اور اندر سے ناپاک ہے تو مسجد میں جانا اور نمازیں پڑھنا بے سود ہیں ۔ یہ چوٹ ہے اُن لوگوں پر جو اسلام کا پرچار کرتے ہیں مگر خود اسلامی تعلیم پر عمل پیرا نہیں ہیں ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں :

بُلھے نوں لوک متیں دیندے بُلھیا توں جا بوہ مسیتی
وچ مستیاں کیہہ کجھ ہندا جے دلوں نماز نہ نیتی
باہروں پاک کیتے کیہہ ہندا جے اندروں نہ گئی پلیتی
بن مرشد کامل بُلھیا تیری اینویں گئی عبادت کیتی

اسی طرح ایک اور جگہ بُلھے شاہ کہتے ہیں :

نہ خدا مسیتے لبھدا نہ خدا وچ کعبے
نہ خدا قبراں کتاباں نہ خدا نمازے۷۵

جب بُلھے شاہ نے عالم جذب میں ایسی باتیں کہنی شروع کیں تو متعصب علماء نے اُن پر کفر کے فتوے لگائے۔ مگر بُلھے شاہ اپنی دھن میں مگن صوفیانہ اشعار کہتے رہے۔ آخر ایک بار نام نہاد علماء کے طعنے سن کر انہوں نے کہا :

بُلھیا عاشق ہویوں رب دا ملامت ہوئی لاکھ
لوگ کافر کافر آکھدے توں آخو آخو آکھ[۷۶]

بُلھے شاہ کی آزادہ روی کو وحدت الوجود کے بعد ملامتیہ کی روایت کے حوالے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ جس میں صوفی جان بوجھ کر بھی کچھ حرکتیں کرتے ہیں جس سے لوگ اُن سے نفرت کرنے لگیں اور وہ خدا سے پورے انہماک کے ساتھ اپنی لو لگا سکیں۔ ملامتیہ فرقہ کا ذکر حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش نے بھی کشف المحجوب میں کیا ہے۔

بُلھے شاہ ایک معمولی یا جذباتی شاعر نہ تھے۔ زمانہ کی رنگنیاں جو ایک عام عشقیہ شاعر کے خیالات و جذبات میں ایک ہیجان پیدا کرتی ہیں۔ بُلھے شاہ کے صوفیانہ خیالات پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ ضیاء الدین برنی بُلھے شاہ کے تصوف کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ بُلھے شاہ کے نزدیک معشوق محض ایک شاعرانہ تصویر تھی جو خدائی روح کے ساتھ (جو ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے) انسانی وصل اور آخرکار وصل کی باطنی سچائی کو چھپاتی اور ظاہر کرتی تھی اور وہ بعض اوقات حسی جذبات کی زبان میں اعلیٰ روحانی سچائیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔[۷۷] بُلھے شاہ اپنے وقت کے قادری سلسلہ کے ایک بزرگ صوفی تھے۔ اُن میں جذب و سکر آخر وقت تک موجود رہا۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں اُن کا مشرب بالکل قلندرانہ ہو گیا تھا۔ آپ صلح کل صوفی تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت مقبول تھے مگر متعصب علماء کو اُن کا یہ رویہ بالکل پسند نہ تھا۔ آپ ہمیشہ بحر فقر میں ڈوبے رہتے۔ ان کا کہنا تھا کہ راہ مجاز اختیار کرکے ذات حقہٗ سے رشتہ قائم کرنا آسان ہے۔[۷۸] بُلھے شاہ کے کلام میں تصوف کی منطقیانہ تشریح کم پائی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں ان باتوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جن کا اظہار وہ مسلمانوں کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔[۷۹] ان کے کلام کی سادگی نے ان کے کلام کو عوام میں اور خاص طور پر پنجاب میں بہت مقبول بنا دیا ہے۔

اس مضمون کی تیاری میں راقم الحروف نے بُلھے شاہ کے کلام کا حوالہ دینے کے لیے مختلف کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بُلھے شاہ پر بعض لکھنے والوں نے یا اس کا کلام مرتب کرنے والوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اُس کے کلام میں کہیں کہیں کچھ تبدیلیاں کر لی ہیں۔ بُلھے شاہ کی کافیاں اور دیگر اشعار شائع شدہ نسخوں میں ایک جیسے نہیں ملتے۔ گو ان تبدیلیوں کے باوجود اکثر و بیشتر ان کا مفہوم یکساں ہی رہتا ہے۔

☆ ☆ ☆

حوالہ جات

۱- عبدالغنی، ''تصوف اور صوفی شعراء'' در 'تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند' جلد ۱۳ (حصہ اول)، (لاہور پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء)، ص ۳۰۰۔

۲- فقیر محمد فقیر (مرتب)، **کلیات 'بلھے شاہ'** (لاہور: پنجابی ادبی اکادمی، ۱۹۶۷ء)، ص ''لا و''۔

۳- Lajwanti Ram Krishan, *Punjabi Sufi Poets*, (Calcutta : Oxford University Press, 1938), p. 40.

۴- C. F. Usborne, *Bullah Shah, Sufi, Mystic aud Poet*, (Lahore : Rai Gulab Singh and Sons, 1905), p. 2.

۵- فقیر محمد فقیر، **کلیات بُلھے شاہ**، ص ''د''۔

۶- صحیح لفظ ''اکرم'' ہونا چاہیے۔ سن وفات کے مطابق یہ ''شیخ اکرم'' ہی بنتا ہے۔ غالباً کاتب کی غلطی سے ''اکرام'' لکھا گیا ہے۔

۷- سید نذیر احمد (مرتب)، **کلام بُلھے شاہ**، (لاہور: پیکجز لمیٹڈ، ۱۹۷۶ء) ص ؛ فقیر محمد فقیر، **کلیات بُلھے شاہ**، ص ''لا''؛ عبدالغنی، **تصوف اور صوفی شعراء**، ص ۳۰۲۔

۸- محمد شفیع، **ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین**، (لاہور: اورئینٹل کالج، ۱۹۳۹ء)، ص ۶؛ فقیر محمد فقیر، **کلیات بُلھے شاہ**، ص ''ظ۔ ی۔ یا''۔

۹- Usborne, *Bullah Shah*, p. 2.

۱۰- مطیع الرحمان الھاشمی، **تذکرہ بُلھے شاہ**، (لاہور، اللہ والے کی قومی دکان، سال طباعت نامعلوم)، ص ۱۷۔

۱۱- فقیر محمد فقیر، **کلیات بُلھے شاہ**، ص ''یح''۔

۱۲- Azra Nizami, "Socio-Religious outlook of Abul Fazl" in *Medieval India—a Miscellany*, (Aligarh : Centre of Advanced Studies, Department of History, Muslim University, 1972), Vol. II, p. 106.

۱۳- عبدالغنی، **تصوف اور صوفی شعراء**، ص ۳۰۰۔

۱۴- Lajwanti, *Punjabi Sufi Poets*, pp. 45-46.

۱۵- ضیاءالدین احمد برنی، **تذکرہ حضرت بُلھے شاہ**، (دہلی: محبوب المطابع، ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰-۱۹۱۹ء)، ص ۶۔

۱۶- Irvine William, *Later Mughals*, (Lahore : Universal Books, n. d.), Vol. I, pp. 190-92; Vol II, pp. 371-77.

۱۷- سید نذیر احمد ، کلام بُلھے شاہ ، ص ۵۳ -

Ishtiaq Hussain Qureshi, *The Administration of the Mughul Empire*, (Karachi, University of Karachi, 1966), pp. 295-96.

۱۸- Irvine William, *Later Mughals*, Vol. I, pp. 307-318.

۱۹- فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۱۴۲ -

۲۰- لوئیس ماسینیون (Louis Massignon) ''تصوف'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور : دانش گاہ پنجاب ، ۱۹۶۲ء) جلد ۶ ، ص ۴۱۸ ؛ محمد باقر ، اقبال کے ملی افکار کا محور ، I ، (لاہور : شعبہ فلسفہ ، جامعہ پنجاب ، ۱۹۸۲ء) ، اقبال میموریل لیکچرز ، ص ۸ -

۲۱- ابوبکر سراج الدین ، ''تصوف'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ - (لاہور : دانش گاہ پنجاب ، ۱۹۲۲ء) جلد ۶ ، ص ۴۳۲ -

۲۲- ایضاً ، ص ۴۱۹ ، ۴۲۹ -

۲۳- ماسینیون ، تصوف ، ص ۴۲۰ - ۴۲۱ -

۲۴- عبدالغنی تصوف اور صوفی شعراء ، ص ۲۸۷ -

۲۵- ماسینیون ، تصوف ، ص ۴۲۱ -

۲۶- ایضاً ، ۴۲۱ - ۴۲۲ -

۲۷- ابوبکر سراج الدین ، تصوف ، ص ۴۲۹ ، ۴۳۳ ؛ ماسینیون ، تصوف ، ص ۴۲۴ -

۲۸- ابوبکر سراج الدین ، تصوف ، ص ۴۲۹ - ۴۳۲ -

۲۹- محمد باقر ، اقبال کے ملی افکار کا محور ، I ، ص ۸ - ۹ -

۳۰- Lajwanti, *Punjabi Sufi Paets*, p. 40.

۳۱- سید نذیر احمد ، کلام بُلھے شاہ ، ص ۳۶ - عبدالمجید بھٹی ، کافیاں بُلھے شاہ ، (اسلام آباد : لوک ورثہ کا قومی ادارہ ، ۱۹۷۵ء) ، ص ۱۲۶ ؛

Lajwanti, *Punjabi Sufi Poets*, p. 50.

۳۲- فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۹ - ۱۴ ؛ پریم سنگھ (مرتب) ، کافیہائے بُلھے شاہ ، (قصور: مطبع صدیقی ، سن اشاعت نامعلوم) ص ۶ - ۱۰ -

۳۳- سید نذیر احمد ، کلام بلھے شاہ ، ص ۳۴ -

۳۴- فقیر محمد فقیر،کلیات بُلھے شاہ ، ص ۱۹۰ ؛ سید نذیر احمد، کلام بلھے شاہص ۳۴ -

۳۵- سید نذیر احمد، کلام بلھے شاہ ، ص ۶۰ -

۳۶- فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۳۸۵ -

۳۷- ایضاً ، ص ۳۸۶ ، ۳۸۷ -

۳۸- عبدالمجید بھٹی ، کافیاں بُلھے شاہ ، ص ۱۱۲ ، ۱۲۰ ؛
Lajwanti, *Punjabi Sufi Poets*, p. 54.
۳۹- انور علی رہتکی ، قانون عشق (لاہور : اللہ والے کی قومی دکان ، سال اشاعت نامعلوم) - حصہ اول ، ص ۸ -
۴۰- ضیاءالدین احمد برنی ، تذکرہ حضرت بُلھے شاہ ، ص ۸- ۹ -
۴۱- فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۱۶۷ ؛ عبدالمجید بھٹی ، کافیاں بُلھے شاہ ، ص ۱۷۰ ؛ سید نذیر احمد ، کلام بُلھے شاہ ، ص ۴۹ -
۴۲- فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۱۰۸ ، ۱۰۹ -
۴۳- سید نذیر احمد ، کلام بُلھے شاہ ، ص ۲۷ -
۴۴- سید نذیر احمد ، کلام بُلھے شاہ ، ص ۳۹ ؛ فقیر محمد فقیر ، کلیات بلھے شاہ ، ص ۱۲۵ ؛ پریم سنگھ ، کافیہائے بُلھے شاہ ، ص ۴۰ -
۴۵- فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۲۲۸ - ۲۳۰ ؛ عبدالمجید بھٹی ، کافیاں بُلھے شاہ ، ص ۲۱۶ - ۲۱۸ -
۴۶- مطیع الرحمان قریشی ، تذکرہ بُلھے شاہ ، ص ۶۳ - ۶۴ -
۴۷- عبدالمجید بھٹی کافیاں بُلھے شاہ ، ص ۲ - ۳ -
۴۸- عبدالغنی ، تصوف اور صوفی شعراء ، ص ۳۰۱ ؛
Lajwanti, *Punjabi Sufi Poeti*, p. 47.
۴۹- فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۳۶۸ ، ۳۷۰ - ۳۷۱ -
۵۰- ایضاً ، ص ۲۶۴ - ۲۶۵ -
۵۱- سید نذیر احمد ، کلام بُلھے شاہ ، ص ۵۳ - ۵۴ -
۵۲- ایضاً ، ص ۲۷ -
۵۳- فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۳۲۱ -
۵۴- عبدالمجید بھٹی ، کافیاں بُلھے شاہ ، ص ۲۶۴ -
۵۵- پریم سنگھ ، کافیہائے بُلھے شاہ ، ص ۷۲ -
۵۶- سید نذیر احمد ، کلام بُلھے شاہ ، ص ۷۷ -
۵۷- عبدالمجید بھٹی ، کالیاں بُلھے شاہ ، ص ۳۴ -
۵۸- ایضاً ، ص ۵۴ -
۵۹- ایضاً ، ص ۵۳ -
۶۰- فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۱۹۹ -
۶۱- سید نذیر احمد ، کلام بُلھے شاہ ، ص ۸۶ : عبدالمجید بھٹی ، کافیاں بُلھے شاہ ، ص ۳۱۲ ؛ فقیر محمد فقیر ، کلیات بُلھے شاہ ، ص ۳۲۶ -
۶۲- سید نذیر احمد ، کلام بُلھے شاہ ، ص ۸۳ -